طاہر جمیل: ابھی کل کی بات ہے

جدہ کے معروف ''پاکستانی محلے'' العزیزیہ میں شارع امیر ماجد نامی پُر شور اور مصروف سڑک کے کنارے ایک پاکستانی مطعم ہے۔ مطعم کے پچھواڑے میں ایک کھلا لان ہے۔ لان میں کرسیاں رکھی رہتی ہیں۔ کبھی دو چار، کبھی دس بیس۔ میز، البتہ اکا دکا ہی ہوتے ہیں۔ یہ ایک روکھا پھیکا سا منظر ہے۔ معمولی سا، عام سا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہی منظر، بہت غیر معمولی اور بہت خاص ہو جاتا ہے۔ جب شام ڈھلنے لگتی ہے۔ جب محفل سجنے لگتی ہے۔ جب سادھو دھونی رماتا ہے۔ جب گیانی بانی پڑھتا ہے۔ جب جوگی اشلوک سناتا ہے۔ تب لان کا وہ گوشہ یکا یک کسی فقیر کی کٹیا، کسی درویش کا حجرہ اور کسی صوفی کی خانقاہ بن جاتا ہے۔ بات سے بات نکلتی ہے، چراغ سے چراغ جلتا ہے اور پھر روشنی پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ چکا چوند۔ یوں جیسے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ موج در موج قہقہے اور شاخ در شاخ چہچہے۔ یہ طاہر جمیل کی محفل تھی۔

کوئی ۱۰ سال پہلے بخت واتفاق نے طاہر جمیل کو جدہ کی جھولی میں لا کے ڈال دیا تھا۔ سعودی عرب میں راقم السطور کی آمد ۲۰۰۲ء میں ہوئی۔ پہلے ٦ سال اُملج (منطقہ تبوک) میں قیام رہا اور بعد میں مکہ مکرمہ چلا آیا۔ طاہر جمیل سے بہت آغاز ہی میں راہ ورسم ہوگئی۔ ان کی کشش مجھے جدہ کی جانب ہمیشہ کھینچتی رہی۔ ایک میں ہی کیا، نجانے کہاں کہاں سے ان کے چاہنے والے چلے آتے تھے۔ خمیس مشیط سے، دمادم سے، ریاض سے، مدینہ منورہ سے۔ ''تمھارے نام پہ آئیں گے غم گسار چلے''۔ جدہ کے احباب کچھ تو روزانہ کے ملنے والے تھے، کچھ انھیں دو چار دنوں بعد اور کچھ دو چار ہفتوں بعد سہی، ملتے ضرور تھے۔ ایک بات طے تھی جو ایک بار ان کی محفل میں آیا ہے، وہ ایک بار پھر آئے گا، بار دگر۔ اسی ''باردگر'' میں ''ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا'' (ہزاروں بار جایئے اور لاکھوں بار آیئے) اور ''بسلامت روی وباز آئی'' (خیریت سے جایئے اور دوبارہ بھی آیئے) کے اَن گنت رنگ اور خوشبوئیں آنے والوں کے دامن گیر ہو جاتیں۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے مے کدے میں ضرور
قریب و دور سے مے خوار آ کے پیتے ہیں

ایک بات نہیں، کتنی ہی باتیں ہیں۔ غضب کی سج دھج کا بانکا آدمی، خندہ رو، خندہ جبیں، دراز گیسو، تیکھے نقش، گورا گلابی رنگ، روشن اُجلا چہرہ، دھان پان وجود، خالص شاعرانہ پیکر، لیکن دل؟ دل میں قوتِ ارادی کے اور ایمان ویقین کے سمندر موجزن تھے۔ معلومات وسیع، مطالعہ ہمہ نوعی وہمہ گیر، ذہانت نہایت ظالم اور حسِ مزاح بے پناہ۔ برمحل، برموقع لطیفہ، اور وہ بھی چار چول چوکس، لطیفے انھیں بہت یاد تھے اور بہت سے وہ ''فی البدیہہ'' گھڑ لیا کرتے تھے۔ لیکن اس ہنسی، ٹھٹھے اور لاگ

لگاؤ میں دل آزاری کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ بچوں سا معصوم، بے ضرر اور بے ریا ایک شخص جو نہایت وسیع المشرب تھا۔ ''شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق''۔ مختلف اور متضاد ذہنی ونظریاتی اور سیاسی ومسلکی وابستگیوں کے حامل لوگ، ان سے یکساں قربت محسوس کرتے تھے۔

فنی اور تخلیقی اعتبار سے وہ بہمہ وجوہ ایک بڑے شاعر تھے۔ ایک توانا اور منفرد آواز۔ کسی مجبوری یا فیشن کی خاطر انھیں فیض وفراق، ناصر وندیم یا مجید ومنیر سے بھڑانا ''میڈ ایزی'' تنقیدی رویہ ہوگا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ نہایت غیر معمولی تخلیقی اور تخئیلی امکانات کے شاعر تھے۔ اردو اور پنجابی دونوں میں۔ صاحبِ طرز اور صاحبِ اسلوب۔ جدہ کی حد تک تو وہ مسلم الثبوت استادِ سخن تھے ہی مگر حق یہ ہے کہ مضامین کی تازگی اور تنوع اور زبان کے قادرانہ استعمال واظہار کے بل بوتے پر وہ اردو اور پنجابی، ہر دو زبانوں کے معاصر شعراء میں ایک امتیازی مقام ہی کے مستحق تھے۔ اضافی خوبی یہ کہ ان کے حال اور مقال میں کوئی فرق اور فاصلہ نہیں تھا۔ جب وہ کہتے ہیں کہ:

دشمن کی بیٹی کو بیٹی کہتا ہوں
سوچوں کے انداز پرانے رکھتا ہوں
بھوکا رہ لیتا ہوں لیکن چھت پر میں
پانی کا برتن اور دانے رکھتا ہوں
مصطفوی ہے میرا دسترخوان جمیل
دیا بجھا دیتا ہوں پہلے پھر کھانے رکھتا ہوں

تو یہ طاہر جمیل کی اپنی ہی وارداتِ قلبی اور اپنی ہی رودادِ شب وروز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ ان کے وجود سے ایک اور ہی طرح کی رونق تھی۔ مقبولیت اور محبوبیت تو شاید چھوٹے اور محدود مفہوم کے لفظ ہیں۔ ان کی شخصیت کے گرد اپنایت اور چاہت کے کتنے ہی پُر اسرار طلسمات ہالہ کیے ہوئے تھے۔ جدہ کے ۱۰ سالہ قیام میں، سارا ہی عرصہ وہ امراض کی پوٹ بنے رہے۔ ذیابیطس کے اثرات سے آنکھوں، پھیپھڑوں، گردوں اور دل کے گوناگوں مسائل سے بری طرح دوچار رہے، لیکن ہمیشہ جواں ہمت، بلند ارادہ، چہکتے اور ہنستے مسکراتے پائے گئے۔ ابھی کل کی بات ہے:

ہاتھوں میں دے کے ہاتھ، ابھی کل کی بات ہے
وہ چل رہے تھے ساتھ، ابھی کل کی بات ہے

(مطبوعہ ہفت روزہ اردو میگزین جدہ، ۳۱/ جولائی ۲۰۰۹ء)